علیگڑھ تحریک کی سماجی، علمی اور ادبی خدمات

ڈاکٹر سورج دیو سنگھ
صدر، شعبہ اردو، مگدھ مہیلا کالج
پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

۱۸۵۷ء کی شکست وریخت نہ صرف سیاسی شکست وریخت تھی بلکہ علمی، اخلاقی، تہذیبی، ذہنی اور نفسیاتی غرض کہ زندگی کے ہر شعبے پر اس کے اثرات غالب تھے۔ ذہنی اور نفسیاتی شکست خوردگی کا احساس نمایاں طور پر ظاہر بھی ہونے لگا تھا۔ یہ صورتِ حال ملک کے دانشوروں کے لئے یقیناً پریشان کن تھا۔ لہٰذا ان کی طرف سے ردِ عمل کے طور پر کچھ ایسی تحریکیں شروع ہوئی جو شکست خوردہ ذہنوں میں خودداری، عزّت، نفس اور احساسِ عظمت کا جذبہ پیدا کر کے انھیں ملک کی تعمیرِ نو کے لئے تیار کر سکے۔ مسلمانوں میں ذہنی بیداری پیدا کرنے کا سہرا سرسید کے سر ہے۔

سرسید میں کئی بڑی تحریک کا نقطہ آغاز بننے کی صلاحیت نمایاں تھی۔ اس عہد کے تاریخی و معاشرتی حالات بالخصوص ۱۸۵۷ء کی تباہ کاریوں نے ان کی فکری و عملی زندگی میں تلاطم برپا کر دیا تھا اور علیگڑھ تحریک کا جو بیج ان کی ذہن میں پرورش پا رہا تھا وہ ان کے ذہن سے باہر آ گیا۔ اس طرح علیگڑھ تحریک کا سرچشمہ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگِ آزادی سے پھوٹی۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں سرگرم دوسری تحریکوں بالخصوص راجہ رام موہن رائے کی اصلاحی تحریک نے ان کی جذبہء عمل کو مزید برانگیختہ کیا۔ چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کی اصلاح اور پسماندگی سے نجات دلانے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔

۱۸۶۳ء میں سائنٹفک سوسائٹی قائم کر کے اپنی اصلاحی کوششوں کو باقاعدہ اجتماعی شکل دی۔ اس سوسائٹی کے ذریعے سرسیّد نے عوام کے خیالات میں تبدیلی لانی چاہی اور نئے خیالات کی روشنی سے تنگ نظری، تعصب اور ذہنی جمود کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اس سوسائٹی کا مقصد مغربی علوم و نظریات سے واقفیت پیدا کرنے کے ساتھ خود اپنے علمی ورثے کی حفاظت اور اپنے کارناموں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا تھا۔ اس ذریعے سرسیّد ایک ایسا تنقیدی ذہن تیار کرنا چاہتے تھے جو پوری آزادی کے ساتھ فکر و عمل کا جائزہ لے کر ماضی کی غلطیوں سے خبردار ہو سکے اور مستقبل کے لئے روشنی پہونچا سکے۔ غرضکہ سرسیّد کی سوسائٹی فکر و عمل میں بیداری اور روشن خیالی، بلند نگاہی اور آزادی رائے جیسی خوبیوں سے قوم کو آشنا کرنے کی پرخلوص کوشش تھی۔

اس طرح سائنٹفک سوسائٹی کے قیام کے زمانے میں ہی علیگڑھ تحریک بکھڑی ہوئی صورت میں معرضِ عمل میں آ گئی تھی۔ تاہم سرسیّد جب سفرِ لندن سے واپس آئے تو یہ تحریک منضبط صورت میں رونما ہوئی۔ اس سفر نے سر سیّد کے فکر و عمل کا دھارہ ہی بدل دیا تھا۔ مغرب کے انسی مشاہدہ سے وہ اس نتیجہ پر پہونچے کہ مغرب کی ترقی عیسائیت کی مرہون منّت نہیں بلکہ اس کا راز ذہنی قوت اور طبعی علوم کی تحصیل میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ لندن میں ہی مدرسہءالعلوم کے قیام کا منصوبہ بنایا تا کہ اس کے ذریعے سوسائٹی کے مقاصد کی تکمیل اور اچھے انداز میں ہو سکے۔

علیگڑھ تحریک کا مقصد مسلمانِ ہند کو مایوسی وقنوطیت کے جہنّم سے نکال کر نئے علوم حاصل کرنے، مذہبِ اسلام کو دلائلِ عقلی سے سمجھنے، سنجیدہ علمی کاموں میں زبانِ اردو کو استعمال کرنے اور اس کے ادب کو اعلیٰ معیار تک پہونچانا شامل تھا۔ اس طرح سرسیّد کے اس تحریک کا دائرہ سیاست، مذہب، معاشرت اور زبان وادب تک وسیع تھا۔ انھوں نے اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں۔ وہ ہندوستانیوں بالخصوص مسلمانوں کی پسماندگی و بدحالی کا اصل سبب جہالت کو سمجھتے تھے جس کی وجہ سے ان کے اندر وہم پرستی، تعصوب، تنگ نظری، حسد ونفرت جیسی خرابیاں پیدا ہوگئی تھی۔ لہٰذا انھوں نے تعلیم کے ذریعے قوم کے اندر روشن خیالی، آزادیءفکر وخیال اور حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال سکنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح انھوں نے تہذیبی ومعاشرتی اصلاح کے ذریعے مسلمانوں کو بہتر شہری بنانا چاہا۔ ان کے اصلاحی کوششوں کا اندازہ ''تہذیب الاخلاق'' کے مضامین کے مطالعہ سے ہوتا ہے کہ انھوں نے کس خلوص اور سرگرمی کے ساتھ مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔

جہاں تک سرسیّد کے سیاسی نقطہ نظر کا سوال ہے تو ان میں جوش و جذبہ کے بجائے متانت وسنجیدگی اور عقلیت پسندی کا عنصر غالب تھا۔ انھوں نے موجودہ حالات میں ٹکراؤ کے بجائے انگریزوں سے سمجھوتہ کرنا ہی مناسب سمجھا۔ سرسیّد کی نگاہوں میں مسلمانوں کی شخصیت ریزہ ریزہ بکھڑی ہوئی تھی۔ ان حالات میں ٹکراؤ کے نتیجے میں مکمل تباہی کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کو نہ صرف انگریزوں سے مفاہمت کرتے ہوئے اپنے مسائل حل کرنے اور ایک باعزّت مقام حاصل کرنے کی دعوت دی بلکہ انھوں نے عصری تعلیم اور تہذیبِ جدید کے روشن پہلوؤں کو اختیار کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ سرسیّد کی اس سمجھوتے کی پالیسی اور انگریزی تہذیب کی پسندیدگی کو ان کی بذدلی پر مہمول کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بذدل ہوتے تو ''اسبابِ

بغاوتِ ہند'' جیسی کتاب لکھ کر بغاوت کی ساری ذمہ داری انگریزوں کے سر رکھنے کی جرات نہ کرتے۔اس کے علاوہ سرسیّد جس بے جگری کے ساتھ تمام عمر ہر طرح کے مخالفت کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے وہ ان کی جرات اور حوصلہ مندی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

سرسیّد ایک مذہبی شخصیت کے مالک تھے۔انھوں نے اپنے مذہبی فکر کی اساس عقلیت، تطبیق اور اجتہاد پر رکھی تھی۔وہ مذہبی علوم و معتقدات کو عقل کے معیار پر تولنا اور انھیں فطرتِ انسانی کے مطابق دیکھنا چاہتے تھے۔وہ مذہبی تصورات اور زمانے کی تحقیقی نظریات کے درمیان پائے جانے والے اخلاقیات کو دور کر کے مذہب اور مروجہ فکری رجحانات میں تطابق پیدا کرنا چاہتے تھے۔اس سلسلے میں انھوں نے ''خطباتِ احمدیہ'' اور ''بین الکالام'' جیسے شاہکار پیس کئے ہیں۔خود قرآن کی تفسیر نئے انداز میں لکھی جس میں ان کی عقلیت پسندی نمایا تھی۔اس عقلیت پسندی کی وجہ سے ان کی بعض تعبیرات عام مذہبی معتقدات کے خلاف ثابت ہوئی جس کی وجہ سے انھیں مطعون اور حرفِ تنقید بننا پڑا۔

سرسیّد کے مذہبی اور سیاسی نظریات سے اختلافات ممکن ہے لیکن انھوں نے اردو زبان و ادب کو جو گراں قدر خدمات انجام دیں اس سے کسی کو بھی انکار ممکن نہیں۔سرسید کی کوششوں سے اردو زبان قافیہ و ردیف کی بھول بھلیوں سے نکل کر آزاد فضا میں سانس لینے لگی۔گویا سرسیّد سے قبل میر امّن اور غالبؔ قدیم طرزِ نگارش سے بغاوت کر کے سادہ و شگفتہ نثر کا نمونہ پیش کر چکے تھے لیکن اس کا دائرہ کہانیوں اور نجی خطوط تک محدود تھا۔سرسیّد نے ان بزرگوں کی روایت پر اضافہ کرتے ہوئے اردو نثر کے دائرے کو وسیع کیا اور اس میں توانائی اور ہر رنگ میں ڈھل سکنے کی صلاحیت پیدا کی اور اسے اس لائق بنایا کہ وہ ترقی یافتہ زبانوں کے سامنے سر اٹھا سکے۔بقول علامہ شبلی نعمانیؔ

> ''سرسیّد کے بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرے سے باہر نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی اور تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور اور اثر، وسعت اور جامعیت و سادگی اور سفائی سے ادا کر سکتی ہے کہ خود اس کی استاد یعنی فارسی زبان کو بھی آج تک یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ملک میں آج بڑے بڑے انشاء پرداز موجود ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی شخص ایسا نہیں جو سرسیّد کے بارِ احسان سے گردن اٹھا سکے۔''

سرسیّد کے ادبی خدمات کا دائرا بہت وسیع ہے۔ مذہبی، سیاسی، تاریخی اور عملی موضوعات پر انھوں نے کئی کتابیں لکھیں اور صحافت کے ذریعے قوم کے تنِ مردہ میں روح پھونکی۔ فکر و شعور کی تشکیل اور تہذیبی اقدار کو فروغ دینے کے لئے گراں قدر مقالے لکھے۔ ادب کو تفریح طبعہ کا سامان بنانے کے بجائے ایک اعلیٰ مقصد کے آلہ کار کی حیثیت دی اور اسے مسائل حاضرہ زندگی کی ٹھوس حقیقتوں اور علمی موضوعات سے روشناش کرایا۔ دورِ از کار تشبیہات اور صنائع و بدائع سے آراستہ عبارت لکھنے کے سادہ اور دل نشین اسلوب اپنانے پر زور دیا۔ اس طرح ادب میں انھوں نے جدید رجحانات اور آفاقی نقطہ نظر اپنایا۔ ماورائی تصورات کے بجائے عقلیت، مادیت اور زندگی کی اجتماعی تصورات کو موضوع سخن بنا کر اردو نثر کے امکانات کو وسعت دی۔

اس طرح سرسیّد نے سستی جذباتیت کو فروغ دینے کے بجائے گہرے تعقل، تدبّر اور شعور کو پروان چڑھایا اور اردو نثر کو ایک باوکار، سنجیدہ اور متوازن معیار عطا کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مضمون نگاری کی صحت مند روایات قائم کی۔ ان روایات کو استحکام بخشنے میں ان کے رسالے ''تہذیب الاخلاق'' لا بڑا ہاتھ تھا۔ اس رسالے کے ذریعے سرسیّد نے ملک میں ایک خاص علمی و ادبی اور فکری روح پیدا کی۔ اردو ادب کو قومی مفاد اور اجتماعی افکار کا ترجمان بنایا اور جذباتی اندازِ فکر کی جگہ منطقی اندازِ فکر اپنانے پر زور دیا۔ اس سے سرسیّد وہی کام لینا چاہتے تھے جو انگریز اسپکٹیٹر اور ٹیٹلر سے لینا چاہتے تھے۔ اس کا بنیادی مقصد قومی، اخلاقی اور تہذیب کی اصلاح تھی جس سے ہندوستانیوں کے دلوں میں عزّتِ نفس اور انسانیت پیدا ہو سکے۔ اس رسالے کے ذریعے اردو زبان کا دامن متنوع مضامین سے مالا مال ہو گیا۔ زبان غیر صحت مند جذبات و خیالات کے وسیلہء اظہار بننے کی بجائے مقصدیت کا آلہ کار بن گئی۔ جس سے ادب اور زندگی کا رشتہ استوار ہوا۔ انھیں خصوصیات کی وجہ سے ''تہذیب الاخلاق'' کو نئے خیالات اور جدید رجحانات کا نقطہ آغاز اور اردو نثر نگاری کا سنگِ بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔

تنقید نگاری میں بھی سرسیّد کی خدمات نا قابلِ فروش ہے۔ انھوں نے کوئی تنقیدی کتاب نہیں لکھی لیکن ان کے نظریات مختلف مضامین میں بکھرے پڑے ہیں۔ سرسیّد نے قدیم ادبی سرمائے پر تنقید کر کے اردو ادب کو صحت مند تنقیدی عناصر سے روسناس کرایا۔ روایتی غزل، قصیدہ اور دیگر اصنافِ سخن کی خامیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان میں صحت مند عناصر داخل کرنے کی تلقین کی اور ایسی تخلیقات پیش کرنے پر زور دیا جو زندگی کی حقیقتوں کی ترجمانی کرتا ہو۔ آزاد اور حالی کی نیچرل شاعری ''مقدمہ شعر و شاعری'' اور ''مسدسِ حالی'' وغیرہ سرسیّد کی تحریک

سے منظرِ عام پر آئیں ہیں جس سے اردو ادب میں جدید تنقیدی رجحانات کے لئے راہ ہموار ہوئیں اور زندگی کی عکاسی، مقصدیت اور سادگی کو شعر و ادب کی بنیادی قدر کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ اس طرح سرسیّد کو اولین نقاد کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اس طرح سرسیّد اور ان کے تحریک نے اردو ادب کے تمام پہلوؤں کو متاثر کیا۔ پروفیسر خلیل نظامی، سر سیّد کی ادبی خدمات کا اعتراف ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

''حقیقت یہ ہے کہ سرسیّد نے اردو ادب کی اتنی عظیم الشان اور مختلف النوع خدمات انجام دی تھی کہ پوری تاریخ میں کوئی دوسرا شخص ان کی ہمعصری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اردو کا علیگڑھ اسکول انھیں کے دم سے وجود میں آیا۔ اس اسکول نے سارے محدود مکاتیبِ فکر اور ادبی روایات کو اپنے اندر سمیٹ کر ایک نیا رنگ و روپ بخشا اور وہ تابناک مقصدیت عطا کی کہ اردو ادب عہدِ وسطیٰ کی فرسودہ قدروں کو چھوڑ کر عہدِ نو کے تقاضوں کا جواب دینے کے قابل ہوگیا۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ علیگڑھ تحریک کا سرچشمہ سرسیّد کی ذات سے پھوٹا۔ وہی اس تحریک کے علمبردار اور نقیب تھے۔ اس تحریک کے ہر ذاویہ پر ان کی شخصیت، افکار اور اعمال کی گہری چھاپ لگی ہوئی ہے لیکن اس تحریک کو آگے بڑھانے اور اس کے روایات کے دئے کو روشن رکھنے میں ان کے رفقاء و دیگر وابستگانِ تحریک کا کم ہاتھ نہیں جنھوں نے سرسیّد کے افکار و نظریات کو عام کرنے اور اس تحریک کو آگے بڑھانے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں۔ ان کے ابتدائی رفقاء میں محسن الملکؔ، چراغ علیؔ، نواب وقار الملکؔ، حالیؔ، شبلیؔ، ڈپٹی نذیر احمدؔ اور مولوی ذکا اللہ کا نام سرِ فہرست ہے۔

محسن الملکؔ، شبلی نعمانیؔ، حالیؔ اور نذیر احمدؔ کے مرتبے کے ادیب نہیں تھے لیکن انھوں نے اپنے مضامین کے ذریعے ادب کے زندگی کے جمود کو توڑنے اور صالح روایات کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں سرسیّد کے افکار و نظریات کو فروغ دینے میں صرف کر دیں۔ ان کی ابتدائی دو کتابیں معالی اور فوجداری قانون سے متعلق تھے۔ لیکن انھیں اولین شہرت رسالہ ''میلاد شریف'' سے ہوئی۔ ڈاکٹر عبداللہؔ نے ان کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ

''پچھلا صف میں کھڑا ہونے کے باوجود محسن الملکؔ کو اردو ادب اور اس کے جدّتوں کو رومانی بغاوتوں کی طرف لے جانے والوں میں اونچا مقام دیا جاسکتا ہے۔''

مولوی چراغ علی علیگڑھ تحریک کے سرگرم حامیوں میں سے ایک تھے۔انھوں نے اس تحریک کے مقاصد کو پروان چڑھانے میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دیں۔ ان کا اساسی موضوع مذہب تھا۔ انھوں نے معترضین اسلام کی تردید میں دفائی مورچہ قائم کیا۔ اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے متعدد رسالے لکھے۔انھوں نے علیگڑھ تحریک کے افکار وخیالات کی صراحت میں بہت سی مضامین ''تہذیب الاخلاق'' میں لکھے۔ان کا شمار ہم اردو کے نامور مصّنف میں نہ کریں تو بھی ان کی علمی وادبی خدمات کو یکسر نظر انداز نہیں کر سکتے۔

نواب وقارالملک گو اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح اعلیٰ پائے کے مصّنف نہیں تھے لیکن سائنٹفک سوسائٹی اور علیگڑھ تحریک اور اس کے مقاصد کو پروان چڑھانے میں پورا علمی تعاون پہونچایا۔''تہذیب الاخلاق'' میں قومی، معاشرتی، مذہبی اور اخلاقی موضوعات پر متعدد مضامین لکھ کر علیگڑھ تحریک کو تقویت پہونچائی۔سیاسی مضمون سے مسلمانوں کے سیاسی افکار کے نشو ونما کو متاثر کیا۔

حالی کا شمار علیگڑھ تحریک کے ان ادباء میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو ادب کو مختلف جہتوں سے متاثر کیا۔ سوانح نگاری، تنقید نگاری، مضمون نگاری اور شاعری ہر ایک پر ان کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔حالی غزل کے شاعر تھے لیکن علیگڑھ تحریک کے زیرِ اثر غزل کی پرانی ڈگر کو چھوڑ کر غزل گوئی کی نئی روایات کو جنم دیا اور نیچرل شاعری اور اصلاحی شاعری کی بنیاد رکھی۔''مسدسِ حالی'' لکھ کر خفتہ قوم کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔اس شاہکار نظم کے بارے میں سرسید نے اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''خدا جس مجھ سے پوچھے گا کہ تم کیا لائے ہو تو کہوں گا کہ حالی سے مسدس لکھوا کر لایا ہوں۔''

حالی نے نثری ادب کو بھی گراں قدر خدمات انجام دیں۔سوانح نگاری میں ''یادگارِ غالب'' ''حیاتِ سعادی'' اور ''حیاتِ جاوید'' لکھ کر سوانح نگاری کو مردوں کی مردم شماری کے خانے سے نکال کر نئی شاہکار پر لا کھڑا کیا۔

شبلی بیک وقت شاعر، ادیب، عالم، مفکر، سوانح نگار سب کچھ تھے۔انھوں نے علیگڑھ تحریک اور سرسید ہی سے روشنی حاصل نہیں کی بلکہ وہ خود بھی روشنی کے مینار تھے۔ان کے اندر بے شمار صلاحیت موجود تھیں جس کا اظہار سرسید کی صحبت اور علیگڑھ تحریک کے علمی ماحول میں ہوا۔ بقول خلیل الرحمٰن اعظمی

''شبلی کو علیگڑھ کی فضا نصیب نہیں ہوتی تو ان کی جگہ فاروق چریا کوٹی اور فیض الحسن سہارنپوری کی صف میں ہوتی اور اردو زبان 'شعرالعجم' 'سیرت النبی' اور 'الفاروق المامون' جیسی کارناموں سے محروم رہ جاتی۔''

شبلی جامع النصیب تھے اور ان کی تحریروں کا دائرہ علم وادب، سیرت نگاری اور علمِ کلام تک پھیلا ہوا ہے۔ سیرت النبی آج بھی سیرت کی لاثانی کتاب مانی جاتی ہے۔ سوانح نگاری میں ''الفاروق المامون'' ''سیرت النعمان'' اور ''سوانح مولانا روم'' لکھ کر سوانح نگاری کے لئے صحت مند اساس فراہم کی۔ تنقید کے میدان میں ''شعرالعجم'' اور ''موازنہ انیس و دبیر'' نے تنقید کے صحت مند رجحانات اور تجرباتی اندازِ فکر کے لئے راہ ہموار کی۔ اپنے بہترین اسلوب کے ذریعے انشاء پردازی کی مثال قائم کی۔ علامہ شبلی اپنی انھیں خصوصیات کی وجہ سے علیگڑھ تحریک کے اضافی قوت کا سرچشمہ سمجھے جاتے ہیں۔

مولوی نذیر احمد، سرسید کے حلقے میں سب سے بعد میں آئے اور جلد ہی علیگڑھ تحریک کے سرگرم رفیق بن گئے۔ انھوں نے اپنی تقریروں کے ذریعے اصلاحِ قوم کا فریضہ انجام دینے کی کوشش کی۔ قرآن کی تفسیر لکھ کر مذہبی لٹریچر میں اضافہ کیا۔ ''توبتہ النصوع'' اور ''ابن الوقت'' جیسے ناول لکھ کر ناول نگاری کے لئے راہ ہموار کی۔

مولوی ذکاءاللہ نے علیگڑھ تحریک کا پیغام بچّوں تک پہونچایا۔ ان کا شمار علیگڑھ تحریک کے کثیر التصانیف ادیبوں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا جن کی طرف کم لکھنے والوں کا ذہن گیا۔ ''تاریخِ ہند'' ''تاریخِ عہد'' 'انگلستان'' ''سوانح ملکہ وکٹوریہ'' اور ''کرزن نامہ'' وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

وحیدالدین سلیم، حالی کے توسط سے علیگڑھ تحریک سے منسلک ہوئے۔ سرسید کے لٹریری اسیسٹینٹ، علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ اور ''تہذیب الاخلاق'' کے معاون مدیر کی حیثیت سے کام کیا۔ سرسید کے فیضِ محبت سے تخلیقی اور تنقیدی کاموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''وضع اصطلاحات'' اور ''افاداتِ سلیم'' ان کا تخلیقی کارنامہ ہے۔ شاعری میں بیانیہ نظموں کو فروغ دے کر جدید شاعری کی تقویت پہونچائی۔ انھوں نے اپنے مضامین کے ذریعے علیگڑھ تحریک کی بلندنظری اور فکری گہرائی کو ترویج دی۔

علیگڑھ تحریک کا دوسرا دور ان لوگوں سے شروع ہوتا ہے جو براہِ راست سرسید کی صحبت کے فیض یافتہ تو نہیں تھے لیکن سرسید کے شاگردوں کے ہاتھوں ان کی ذہنی تربیت ضرور ہوئی تھی۔ ان ادیبوں نے علیگڑھ تحریک کو آگے

بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں خواجہ غلام السیدینؔ، مولوی عبدالحقؔ، مولوی عزیر مرزاؔ اور عنایت اللہ دہلویؔ خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ خواجہ صاحت نے ''فلسفہ اخلاقیات'' اور ''مابعدالطبعیات'' کی انگریزی کتابوں کی اردو ترجمہ کیا۔ لیکن ان کا اصلی کارنامہ عصرِ جدید کا اجرا ہے۔ جس کے ذریعے انھوں نے علیگڑھ تحریک کا دائرہ بیسویں صدی تک پھیلا دیا۔ اس رسالے کے ذریعے انھوں نے آزادیٔ خیال اور تمدنی و معاشرتی موضوعات پر غور و فکر کی ایسی راہیں نکالی جن پر سرسیدؔ کے اندازِ فکر کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔

عزیز مرزاؔ اور عنایت اللہ دہلویؔ نے اپنی ذہانت اور قابلیت سے علیگڑھ تحریک کو وسعت دی اور اپنی گراں قدر تراجم اور وقیع مقالات کے ذریعے اس تحریک کو آگے بڑھایا۔

حالیؔ و سرسیدؔ کی اس تحریک کو آگے بڑھانے اور اس کی کیفیت و کمیت دونوں اعتبار سے اردو زبان و ادب کی خدمت کرنے والوں میں سب سے معتبر نام عبدالحقؔ کا ہے۔ یہ حالیؔ کے پرستار ہیں اور ان کے کام کی نوعیت اور اندازِ بیان بھی ہمیں حالیؔ کی یاد دلاتا ہے۔ ان کے یہاں حالیؔ سے زیادہ شگفتگی و روانی ہے ان کا اصلی میدان تحقیق و تنقید ہے۔ انھوں نے بہت سی کتابوں کو اپنی تحقیق و تنقید کے ذریعے گوشۂ گمنامی سے نکال کر علمی دنیا میں روشناس کرایا۔ اس طرح اردو کے قدیم تذکرے رواوین اور نثر کی اہم کتابیں ان کی بدولت سامنے آئیں۔ ''سب رس، ریاض الصفحا، نکات الشعراء معراج العاشقین، ذکرِ میر، نصرتیؔ، مرحوم اردو کالج دہلی کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ'' وغیرہ اردو سے سرمائے میں گراں قدر اضافے کا درجہ رکھتی ہیں۔

علیگڑھ تحریک کا کارواں یہیں آ کر نہیں ٹھہرتا بلکہ اس تحریک سے وابستہ جن ادیبوں نے اس تحریک کو آگے بڑھانے میں نسل در نسل کا کیا ان کی فہرست طویل ہے۔ ان میں حسرت موہانیؔ، محمد علی جوہرؔ، ظفر علی خاںؔ، جیب الرحمٰنؔ، خاں شیرانیؔ، عبدالماجد دریابادیؔ اور طفیل احمد منگلوریؔ جیسے مشہور زمانہ لوگ ہیں جنھوں نے سیاست، صحافت، نظم نگاری اور مضمون نگاری وغیرہ کو بطورِ خاص متاثر کیا اور ہندوستان کی قومی زندگی پر جاوداں اثرات مرتب کئے۔ خواجہ منظور حسینؔ، ڈاکٹر ذاکر حسینؔ اور پروفیسر مجیبؔ وغیرہ نے تعلیم کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور علیگڑھ تحریک کو اسلوبِ حیات بنا دیا۔ طنز و مزاح کو آگے بڑھانے والوں میں رشید احمد صدیقیؔ کا نام سرِ فہرست ہے جن کی علیگڑھ سے وابستگی اور والہانہ شگفتگی ضرب المثل ہے۔ انھوں نے اپنے طنزیہ مضامین اور خاکہ نگاری کے ذریعہ ادب کی خوب خدمت کی اور ساتھ ہی اپنے فن سے اصلاحِ معاشرہ کا بھی کام لیا جو علیگڑھ تحریک کے بنیادی مقاصد میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔

علیگڑھ تحریک کے اثرات افراد کے ساتھ ساتھ بعد میں منظرِ عام پر آنے والی تمام ادبی تحریکوں پر بھی پڑے۔ بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان تحریکوں کو علیگڑھ تحریک ہی نے ایسے ذہن فراہم کئے جن سے وہ تحریکیں پھلی پھولی اور برگ و بار لائیں۔ رومانی تحریک کو آگے بڑھانے والوں میں سجاد حیدر یلدرم، مہدی افادی اور سجاد انصاری وغیرہ کے نام سرِ فہرست ہیں۔ یہ تمام لوگ علیگڑھ ہی کے فیض یافتہ ہیں ان ادیبوں نے اردو کو موضوعات اور اسالیبِ بیان کے تنوع سے مالا مال کر دیا۔ انھوں نے اردو زبان کو ایسی بے ساختگی، لطافت اور رنگینی عطا کی جس سے اردو زبان اس سے پہلے محروم تھی۔

ترقی پسند تحریک کو فکری قیادت وابستگانِ علیگڑھ سے ہی ملی۔ اس تحریک کے زیرِ اثر وجود میں آنے والے شعری، افسانوی اور تنقیدی ادب کا جائزہ لینے پر اندازہ ہوتا ہے کہ نامورانِ علیگڑھ نے ہر صنفِ ادب کو اپنے تخلیقات سے مالا مال کیا۔ ترقی پسند شعری روایات کو آگے بڑھانے والوں میں جذبی، مجاز، اختر الایمان اور خلیل الرحمٰن اعظمی وغیرہ علیگڑھ ہی سے وابستہ ہیں۔ افسانے اور ناول نگاری میں عصمت چغتائی اور قاضی عبدالستار کے فن کو علیگڑھ تحریک کے فضاؤں ہی نے پروان چڑھایا۔ تنقید کے میدان میں بھی آل احمد سرور، خورشید السلام اور خلیل الرحمٰن اعظمی جن کے نام ترقی پسند نقادوں میں بڑے معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ وہ علیگڑھ ہی کے چوم و چراغ ہیں۔ جدید ادب کو بھی بنیاد فراہم کرنے اور اسے فکری غذا بخشنے میں علیگڑھ تحریک کا کم ہاتھ نہیں ہیں۔

غرضکہ بیسوی صدی میں جتنی بھی ادبی تحریکیں پیدا ہوئیں ان سب کا سرچشمہ علیگڑھ تحریک کا ادبی ذاویہ ہی ہے۔ آج علیگڑھ مسلم یونیورسٹی اور سرسید کے قائم کردہ دوسرے اداروں کے بارے میں جمود اور معیار کی پستی کی شکایت کی جاسکتی ہے لیکن علیگڑھ تحریک کی شکل میں سرسید نے جو فکر پیش کیا تھا وہ آج بھی مختلف شکلوں میں علم و ادب کے کارواں کو سرگرم سفر رکھے ہوئے ہیں اور آنے والی نسلوں کے ذہن و دماغ کو ہمیشہ روشن رکھے گا۔

کتابیات

(۱) ڈاکٹر مظہر امام، علی گڑھ تحریک سماجی اور سیاسی مطالعہ، ۱۹۹۳ء، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی۔

(۲)